

ڈاکٹر محمد یوسف گوریہ

اسلامی ریاست میں اختیارِ حُکمرانی

اسلامی ریاست کے موضوع پر اولین بحث اقتدار اور حاکمیت مطلقہ کو حاصل ہے اس کے دو پہلو ہیں:

اول: پوری کائنات کا مقتدر اور حاکم مطلق کون ہے ؟

دوم: دنیا میں حکمرانی کا اختیار کسے حاصل ہے ؟

اقتدار اور حاکمیت مطلقہ

اسلام میں پوری کائنات کا مقتدر اور حاکم مطلق اللہ ہے۔ وہ کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس نے ہر چیز کی تخلیق کا مقصد اور اس کی قدر و قوت مقرر کی وہی کائنات کا مقتدر مطلق ہے:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ: ۲۰)

یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کائنات کی مختلف اور منتشر اشیاء اللہ کے حکم سے اپنی اپنی قدر و قوت اور اپنے اپنے مقصد تخلیق کے مطابق مقررہ فطری قوانین اور کلیات کے تابع ایک مستحکم نظام میں منظم اور اس کے حکم سے مسلسل متحرک ہیں جس کے سبب اللہ پوری کائنات کا حاکم مطلق ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (الانعام: ۵۷)

حکم صرف اللہ کا ہے

إِلَّا لَهُ الْحُكْمُ قَف (الانعام: ۶۲)

غیر وہ جو جاؤ حکم صرف اسی کا ہے

قَالَ لَكُمْ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ الْكَبِيْرُ (المومن: ۱۲)

حکم صرف اللہ بزرگ و برتری کا ہے۔

اختیار حکمرانی

اللہ نے اپنے امتدار و حاکمیت مطلقہ میں سے دنیا میں حکمرانی کا اختیار امت مسلمہ کو بطور امانت عطا کیا یہ اختیار بحیثیت مجموعی پوری امت کو حاصل ہے۔ امت کا ہر فرد اختیار حکمرانی میں برابر کا شریک ہے کسی بھی فرد، خاندان، قبیلہ، علاقہ، جماعت، رنگ، نسل کو امت کے دوسرے افراد پر نسلی، خاندانی، قبائلی، علاقائی، جماعتی اعتبار سے اختیار حکمرانی میں کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ اختیار حکمرانی پوری امت کو تفویض ہوا ہے۔ اس پر قرآن و سنت کے دلائل ہیں۔

قرآن

۱. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اُمَّوَةٌ (الحجرات: ۱۰)

سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں

۲. اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: ۱۳)

لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ متقی ہے۔

۳. وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَتَكُوْنُوا لِّلرَّسُوْلِ عَلٰى كُلِّ مَثٰلٍ مَّشٰوِرَةً (البقرہ: ۱۴۳)

اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

۴. كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُقِيْمُوْنَ الصَّلٰةَ وَتُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (آل عمران: ۱۱۰)

لوگوں میں پیدا ہوئی امت میں تم سب سے بہتر امت ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۵. وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (الانعام: ۱۶۵)

وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا

۶. الَّذِينَ إِنْ مَلَكَتْهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَنُوا بِمَا نُعْزِفُ عَنْهُمْ وَهُمْ يُؤْمِنُونَ (النمل: ۲۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، معرفت کا حکم دیں اور شکر سے منع کریں۔

۷. إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (الانبیاء: ۹۲)

یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کرو۔

۸. وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (المائدہ: ۵۶)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو ساتھ بنائے تو اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

حدیث

۱. فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بتقویٰ، الناس من آدم وادم من تراب لہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے۔ فضیلت اور برتری صرف تقویٰ کی بنا پر ہے سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

۲. ایھا الناس کل مسلم اخو المسلم وان المسلمون اخوة یہ لوگو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

۳. مثل المؤمن کمثل البصل ۳

مومن کی مثال ایک بدن کی مثال ہے۔

۴ خطبہ حجۃ الوداع ۵ ایضاً ۳ ابن ماجہ: ۳۸۔ مسند احمد: ۴: ۲۶۸

۴. اذا اشتكى عضو ادعى له سائر جسده ۵۰

جب ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورا جسم شکایت کرتا ہے۔

۵. المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ۵۱

مومن مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتا ہے۔
مندرجہ بالا آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام مسلمان بلا امتیاز و تفضیص ایک سیاسی وحدت ہیں۔ ہر فرد اس سیاسی وحدت کا جزو لا ینفک ہے ان هذه امتكم امة واحدة ۵۲
یہ تھلہ امت در حقیقت ایک وحدت ہے۔ اس کل میں ہر جز کو برابر اور مساوی قانونی، سیاسی و معاشی معاشرتی، تمدنی، تہذیبی حقوق حاصل ہیں۔ ایمان کے رشتہ اخوت کے سبب ریاستی و سیاسی امور میں استحقاق اور ان معاملات کی انجام دہی کے لیے سیاسی نظام کی ترتیب و تشکیل میں تمام بہن بھائی برابر کے شریک ہیں۔ کسی بہن بھائی کو دوسرے بہن بھائی پر سیاسی حقوق کے اعتبار سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ اسلامی اخوت اور سیاسی وحدت میں سب مسلمانوں کی برابر کی اہمیت قرآن کے ان پر شوکت اور باوقار القابات سے واضح ہے ”امت مسلمہ“ (مسلمان امت) ”امت وسطا و معتدلتا امت“ (خیر امت) (بہترین امت) ”امت واحدة“ (ایک ہی امت) ایسا ہی رشتہ اخوت میں منسلک ہونے کے سبب پوری امت کو اعلیٰ خطاب ملا۔ ”انما المؤمن اخوه“ (سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں) مسلمانوں کو دینی تاریخ کے سب سے بڑے اعزاز (حزب اللہ) (اللہ کی جماعت) سے نوازا گیا۔ اگرچہ اس موضوع پر اب مزید دلائل کی ضرورت نہیں رہی کہ سب مسلمان ریاستی و سیاسی حقوق و ملکی و حکومتی معاملات میں برابر کے شریک ہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں پھر بھی اسے مدلل بنایا جائے متذکرہ آیات پر دوبارہ غور کیا جائے تو واضح ہو گا کہ ان میں تمام صیغے جمع کے استعمال ہوئے ہیں ”کنتم، جعلنکم، جعلکم، امکم، مکھم“ یہ صیغے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان آیات کے مخاطب مسلمان ہیں۔ چونکہ یہ صیغے جمع کے ہیں اس لیے ان سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ ان میں استثنائے کوئی موقع اور مقام نہیں اور نہ ان کے سیاق و سباق میں

استثنا کی کوئی گنجائش ہے، اس لیے یہ خطاب بلا استثنا تمام مردوں اور عورتوں سے ہے۔ قرآن کا یہ اصول ہے کہ معاشرت، معیشت، سیاست، ریاست، عدالت، صنعت، تجارت، تہذیب و تمدن، تعلیم و تربیت جیسے اہم ملکی و حکومتی امور میں جو احکام اور ہدایات دی گئی ہیں ان میں جمع مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ جن سے مرد و زن دونوں مساوی طور پر مراد ہیں۔ جو امور مردوں یا عورتوں کے لیے بطور جنس مخصوص ہیں ان کے تذکروں میں تذکیر و تانیث کی وضاحت موجود ہے ”شہداء علی الناس“ امامت انسانیت کے منصب پر فائز ہونے کی ہدایت پوری امت کو ہے اسی طرح ”جعلکم امۃ وسطاً“ میں پوری امت کو متوجہ کر کے براہ راست تمام مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے ”کنتم خیر امۃ“ کے خطاب سے کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ امت مسلمہ کا ہر فرد مخاطب ہے ”امتکم“ کے خطاب میں امت کے ہر فرد کی اہمیت اور ایک ایک مسلمان کی حیثیت کو پورے وضوح سے بیان کیا گیا ہے اس خطاب میں امت کی الگ الگ اکائیوں اور جدا جدا افراد کو ایک وحدت قرار دے کر ساری امت کے ہر فرد کو کلی لازمی اور ناگزیر حصہ قرار دیا گیا ہے۔

متذکرہ آیات میں سے دو آیتیں قیام خلافت و ریاست کے سلسلے میں خاص طور پر پیش کی جاتی ہیں۔
اول: آیت خلافت ”وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَہٗ فِی الْاَرْضِ“ وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا۔
دوم: آیت ”تَمَکِّنْ فِی الْاَرْضِ“۔ الذین ان مکم فی الارض“ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں۔ ان دونوں آیتوں کے مخاطب تمام مسلمان ہیں جیسا کہ ”کم“ اور ”ہم“ میں صیغہ جمع کی ضمیروں سے واضح ہے۔

اسلام نے امت کے تمام افراد کے مساوی سیاسی حقوق کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اللہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان عام کروایا کہ وہ بھی بشیر ہیں۔ ”مَنْ اٰتٰہَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ“ (الکہف: ۱۱۰) ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر الہامی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے کو اپنی ذاتی رائے قرار دیا اور جب صحابہؓ نے متبادل رائے پیش کی تو آپؐ نے اسے بہتر سمجھا تو آپؐ نے اسے تسلیم کیا اور اس پر عمل کیا۔ اپنی رائے واپس لے لی۔ ان مثالوں میں غزوہ بدر میں جب ان جنگ کا انتخاب، اسیرانہ بدر سے سلوک کا معاملہ، غزوہ احد کے لیے مدینہ سے باہر جنگ

کا واقعہ، غزوہ خندق کے دوران بنو عطفان کو مدینہ کی ایک تہائی کھجوروں کی پیش کش کا معاملہ، کھجوروں کو پیوند نہ لگانے میں آپ کی رائے، جیسے امور خاص طہر پر قابل ذکر ہیں۔ یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت سربراہ حکومت اپنی رائے کے مقابلے میں دوسروں کی رائے کا پورا پورا احترام فرمایا۔ اور اس بات کو ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ تمام افراد ملت کے حقوق مساوی ہیں اور ہر فرد ملت کو قوی ہے کہ وہ اپنی رائے کا استعمال کرے۔ مثبت انداز میں اللہ نے آنحضرت کو حکم دیا کہ آپ نظام مملکت امت کی باہمی مشاورت سے چلائیں ”وشاردھم فی الامور“

خلفائے راشدین کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ وہ تمام امور مملکت امت کی رائے اور مشاورت سے طے کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی یہ تاثر نہیں دیا کہ افراد امت ان سے کم تر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو واشکان الفاظ میں فرمایا ”انی واحد کا حد کہ میں تم میں سے ایک ہوں، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ میری رائے ایک فرد کی رائے ہے۔ جس طرح مجھے اظہار رائے کا حق ہے، ویسے ہی تمہیں بھی اظہار رائے کا حق ہے اس لیے میری رائے کے مقابلے میں تم اپنی رائے کا کھل کر بیان کرو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلفائے راشدین امت کا یہ حق تسلیم کرتے تھے کہ حقوق میں امت کے تمام افراد برابر کے شریک ہیں، ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ اختیار حکمرانی میرے پاس تمہاری امامت جو تم نے میرے سپرد کر رکھی ہے تم اس اقتدار میں میرے ساتھ برابر کے شریک ہوؤں تمہاری ہی طرح ایک فرد ہوں۔ لا تشعروا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کا حد کہ“

اختیار حکمرانی کا اختیار

اس بات کا تحقق ہو جانے کے بعد کہ اختیار حکمرانی پوری امت مسلمہ کو بحیثیت مجموعی حاصل ہے یہ سوال خود بخود نمایاں ہو جاتا ہے کہ آیا امت کا ہر فرد اپنے اختیار حکمرانی کو خود استعمال کرے؟ یا امت میں سے اس منصب کے لیے زیادہ اہل افراد کو اختیار سونپ دے؟ انسانی عقل و تجربہ اول الذکر صورت کی تائید نہیں کرتا اور نہ ہی یہ بات عملاً ممکن اور مفید ہے منوال ذکر صورت ممکن بھی ہے اور ہر اعتبار سے مفید بھی ہے

قرآن نے اسی کو اپنانے کی ہدایت کی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْلَمُوا بِالْعَدْلِ (النساء: ۵۸)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اس آیت سے چار آئینی اصول وضع ہوتے ہیں۔

اول، اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

دوم، تمام افراد امت بلا استثناء اور بلا امتیاز مرد و زن اس امانت کے امین ہیں۔

سوم، امت اختیار حکمرانی کی یہ امانت اس منصب کے اہل افراد کے سپرد کرے۔

چھام، حکمرانی کی اہلیت کا معیار، حکمرانی کی صلاحیت اور عادلانہ فیصلے کی قوت۔

پہلا اصول اختیار حکمرانی کو امانت قرار دیتا ہے۔ اسلام میں امانت کی حفاظت اور ادائیگی کے اصول موجود ہیں۔ امانت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ امانت ضائع نہ کی جائے۔ اس کے ضیاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید سنائی ہے۔

”فَإِذَا ضَلَّتِ الْأَمَانَةُ فَأَسْتَظِرَّ السَّاعَةَ“

جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

گویا امانت کا ضیاع ہلاکت کے مترادف ہے اگر افراد امانت میں خیانت کریں تو ایسے خائن افراد ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور تو میں امانت میں خیانت کریں تو وہ برباد ہو جاتی ہیں۔ جو تو میں امانت کے تقدس کو پامال کرتی ہیں، تباہی و بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

دوسرے اصول کے مطابق اختیار حکمرانی بطور امانت امت کا حق ہے۔ جب تک امت برضا و رغبت آزادانہ، مضائقہ اور غیر جانبدار طور پر یہ امانت کسی اہل کے سپرد نہ کرے اس وقت تک امانت کی ادائیگی جائز نہیں، اور اگر ناجائز خلائع۔ قبائلی اور مالی طاقت۔ سے اس پر قبضہ کیا جائے تو وہ

غضب و خیانت کہلائے گی۔ اس پر پوری راستی و اجتماعی نظام قائم ہو گا وہ کسی صورت بھی اسلامی نہیں ہو گا۔
تیسرا اصول یہ ہے کہ چونکہ پوری امت بحیثیت مجموعی اختیارِ حکمرانی کی امین ہے، اس لیے امت کے کسی ایک بھی فرد کو نظر انداز کر کے اگر ریاستی نظام قائم ہو تو اس فرد کے ساتھ خیانت ہوگی اور اگر زیادہ افراد کو شرکت کا موقع دیئے بغیر کوئی نظام حکومت قائم ہو تو زیادہ بڑی خیانت ہوگی۔

چوتھے آئینی اصول کا تقاضا ہے کہ امت یہ امانت ایسے لوگوں کے سپرد کرے جو اس کے اہل ہوں قرآن نے اہلیت پر بڑا زور دیا ہے۔ امانت کے استعمال کا فطری تقاضا بھی یہی ہے حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے
ومن كانت عنده امانة فليؤدها

جس کے پاس امانت ہو وہ اس امانت کو اسے ادا کرے جو اس کا اہل ہو۔

اگر امانت نااہل لوگوں کے سپرد کی جائے تو وہ ضائع ہو جاتی ہے اور ضائع امانت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وید پہلے بیان کی جا چکی ہے اختیارِ حکمرانی کا تعلق امت کی غیر فلاح، فروغ و ارتقا اور نفاذِ معروف و منکر سے ہے اگر اختیار کی امانت نااہل افراد کے سپرد کر دی جائے تو وہ دین و اخلاق کو تباہ اور ملک و ملت کو برباد کر دیں گے یہی وجہ ہے کہ امانت کی اہلیت کے متحمل افراد کا انتخاب امت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اگر امت نے صحیح افراد کا انتخاب کیا تو اس نے امانت کا حق ادا کیا اور اگر اس نے غلط اور نااہل افراد کو منتخب کیا تو اس نے امانت میں خیانت کی۔

ادائے امانت کی اہلیت

اس بات کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ پوری امت اختیارِ حکمرانی کی امین ہے، اس میں مرد و زن کی کوئی تخصیص و تفریق نہیں۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ امانت کی ادائیگی کی اہلیت کیا ہو؟ اس سلسلے میں صرف دو شرطوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اول۔ بالغ۔ دوم، عاقل۔

امتِ مسلمہ کے ہر بالغ و عاقل مرد و زن کو حق رائے دہی کی اہلیت اسی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے

جس بنیاد پر یہ امت مسلمہ کے رشتہ اخوت کا مہر بنتا ہے۔ رشتہ اخوت میں رکنیت کی بنیاد صرف ایمان ہے۔ ہی وجہ ہے کہ تمام بالغ و عاقل اہل ایمان حق رائے دی کے اہل ہیں۔ اس اختیار کو امانت قرار دیا گیا ہے، اس لیے ہر ایمان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس امانت کی ادائیگی میں خیانت نہ کرے جس شخص کو اس امانت کا صحیح طور پر اہل سمجھے، اسے ادا کرے اگر اس نے یہ امانت نااہل افراد کے سپرد کر دی تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ آنحضرتؐ در تاد ہے۔

لا تجتمع الخيانة والامانة جميعاً

خیانت اور امانت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

حنور کا یہ بھی ارشاد ہے

لا ایمان لمن لا امانة له

جو امانت کے پاسبان نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں

شرائط اہلیت

درج ذیل اوصاف کے حامل افراد اختیار نکرانی کے اہل قرار پائیں گے۔

۱. تقویٰ: کردار و تقویٰ میں مطابقت اور تقویٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترین مقام »آلقا« کے حصول کی

شدید ترین مسلسل خواہش اور شدت احساس ذمہ داری: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ تَقْوَاهُ بَرَات ۱۳

در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ تقویٰ ہے

۲. قوت و امانت: ملکی و حکومتی معاملات کو ذہنی اور جسمانی قوت و صحت، کامل دیانت و امانت اور

کامل عدل و انصاف سے انجام دینے کی قدرت »الْقَوِيُّ الْأَمِينُ« (القصاص: ۲۶)

۳. قوت والا امانت دار: صرف بقدر ضرورت معاشی وسائل پر قناعت »كَيْ لَا يَكُونَ كُدُولَةً

بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ« (الحشر: ۷) تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں مال انہی کے ہاتھوں میں نہ گردش

کرتا رہے۔

۴. اخوت و وحدت: مومنین کی اخوت پر ایمان »إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ« (الحجرات: ۱۰)

اور امت کی وحدت پر ايقان "هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً" (سورہ الانبیاء: ۹۳) یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے۔

شمر اطننا لیلیت

اسلام میں عوام جو افتیاء حکمرانی کے اصل امین ہیں وہ اپنی امانت اسی صورت میں صحیح طور پر اہل افراد کے سپرد کر سکتے ہیں۔ جب سب مسلمانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں جو شخص اور جماعت ان حدود سے متجاوز ہو اور درج ذیل روش پر گامزن ہو وہ اسلامی طریق انتخاب میں: ہل دیا جائے گی۔

۱. عصبیت جاہلیہ:۔ ذات، برادری، قبائلی، علاقائی اور لسانی مصیبت "كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا زَالِ عَرْنَ: ۱۰۳" تم آگ کے لڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو زندہ تمہیں اس سے بچا لیا۔

۲. فرقہ واریت: فرقہ وارانہ مذہبی جمعیت اور مصیبت "إِنَّ الَّذِينَ فَتَرُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شَيْعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ" (الانعام: ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور کئی کئی فرقے ہو گئے تم ان میں سے نہیں ہو: "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ بُرْهَانٌ" (آل عمران: ۱۰۵) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقے فرقے ہو گئے اور صاف احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ "وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا" (آل عمران: ۱۰۳) اور سب مل کر رات کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور فرقے نہ ہونا۔

۳. زائد از ضرورت معاشی وسائل: زائد از ضرورت معاشی وسائل کی ملکیت "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالنَّفِيسَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ" (التوبہ: ۳۴) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

۴. منافقت: منافق ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کے کبھی غیر خواہ نہیں ہو سکتے، وہ موقع ملتے ہی انہیں دھوکا دیں گے۔ "يُخٰدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا" (البقرہ: ۹) وہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں۔

ادلے امانت کا طریق کار

اختیارِ حکمرانی کی امانت اہل لوگوں کے سپرد کرنے کا طریق کار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ امصار و اعصار اور ظروف و احوال میں تغیر و تبدل کے سبب اس طریق کار میں تبدیلی فطری عمل ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس کے لیے کوئی مخصوص طریق کار مقرر نہیں کیا۔ عہدِ خلافت راشدہ کی مختصر مدت میں چار مختلف طریقے اپنائے گئے جن میں سے ہر ایک موقع و ماحول کے مطابق درست سمجھا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس دین نے قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرنی تھی، اس کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اس معاملے کو امت مسلمہ کی صواب دید پر چھوڑ دیتا۔ لہذا امت مسلمہ کے اختیار میں ہے کہ وہ حالات و واقعات کے مطابق جو طریق کار مناسب و مفید سمجھے، اپنائے، البتہ اس سلسلے میں چند بنیادی اصول ہیں جنہیں کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اول، امت کے تمام بالغ و مائل مرد و زن کو رائے دہندگی کا حق حاصل ہوگا۔

دوم، انتخابات ہر لحاظ سے آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوں۔

سوم، انتخابات میں نسلی، نژادی، علاقائی اور فرقہ وارانہ مصبیتوں اور جمیعتوں کی اجازت نہ ہو۔

چھارم، مالی ذرائع و وسائل کے استعمال کی قطعی طور پر ممانعت ہو۔

آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے انتخابات کے انعقاد اور ان سے کامیاب نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف ان لوگوں کو اہل قرار دیا جائے۔ جو ہر قسم کے تعصبات سے آزاد ہوں۔ یہ انسانی ہے کہ جس کے پاس نسلی، نژادی، علاقائی اور فرقہ وارانہ قوت ہوگی، وہ کوشش کے باوجود بھی اسے استعمال کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اسی طرح جس کے پاس مالی وسائل ہوں گے وہ بھی ہر صورت انہیں استعمال کرے گا۔ افقانے دین و دانش بھی ہے کہ منجملہ دیگر صلاحیتوں کے اہل وہ لوگ قرار دینے جائیں جو ان تعصبات سے بالاتر ہوں اور بنیادی ضروریات کے لیے ضروری معاشی ذرائع سے زیادہ مالی وسائل کے مالک نہ ہوں۔ مالی وسائل کی تحدید قرآن کے پیارے ﴿لَا تُغْنِیْ عَنْکَ ثَرْوَتُکَ﴾ سے کی جائے۔ موضوع زیر بحث کی مزید توثیق عہد رسالت کے لیے اللہ کے فرستادہ تھے۔ بحیثیت سربراہ حکومت آپؐ کے معاشی وسائل کبھی قدر ضرورت سے نہیں بڑھے بلکہ اکثر اوقات ضرورت سے بھی کم ہو رہے۔ آپؐ کی قبائلی عدم مصبیت کا یہ حال تھا کہ آپؐ کے مخالفین اس کمزوری کا طعن دیتے اور کہتے

یہ قرآن کما اور طائف کی بستیوں میں سے کسی وڈیرے پر کھن مانل نہ ہوا۔ ﴿وَقَالُوا كَوْلَا مَرْسَلًا﴾
 لَهَذَا الْغُرَّانُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْغُرَّتَيْنِ عَظِيمٍ (الزفر: ۳۱)۔ سب سے پہلے خلیفہ راشد
 سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حد تک قبائلی تعصبات سے بالا تھے کہ سوائے اہل علم کے کم لوگ
 ہی جانتے ہیں کہ ان کا قبیلہ کون سا تھا؟ وہ قبیلہ بنو تمیم سے تھے۔ یہ قبیلہ معاشی و مالی وسائل کے
 اعتبار سے ادنیٰ درجے کا تھا۔ اور سیاسی و معاشرتی اعتبار سے زیادہ اہم تھا، حضرت ابو بکرؓ نے خلافت
 کے معاملات میں کبھی تعصب سے کام نہیں لیا۔ بلکہ مصدقہ روایات کے مطابق ان کے اہل قبیلہ اپنے استحقاق
 سے بھی کم درجہ خدمات انجام دیتے رہے۔ دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو
 عدی سے تھے۔ یہ قبیلہ مالی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے متوسط درجے کا تھا۔ افرادی قوت میں بھی
 بنو تمیم کی طرح طاقت ور نہ تھا۔ حضرت عمرؓ قبائلی مصیبت کی بنیاد پر اس معاشرے میں کبھی نلیفہ نہیں بن
 سکتے تھے۔ کیونکہ ان سے بڑے قبائلی مصیبت کے لوگ موجود تھے۔ نہ ہی انھوں نے کبھی اپنے قبیلہ کے
 اثر و رسوخ کو خلافت کے کاموں میں اثر انداز ہونے دیا۔ ان کے خاندان کا صرف ایک فرد ایک
 منصب پر مقرر ہوا اور جلد ہی اسے علیحدہ کر دیا گیا۔ ان کا خاندان بھی اپنے استحقاق سے کم مرتبے پر
 خدمات انجام دیتا رہا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مالی اعتبار سے متوسط درجے سے تعلق
 رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے پاس قبل از اسلام جو مال تھا وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر چکے تھے۔
 انتخاب خلافت کے وقت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما مالی اعتبار سے بقدر ضرورت معاشی
 وسائل رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مالی و معاشی اعتبار سے متوسط سے بھی کم درجے کے طبقے سے تعلق رکھتے
 تھے۔ وہ قبیلہ بنو ہاشم سے تھے جو اگرچہ اہم قبیلہ تھا مگر ظہور اسلام سے قبل ہی اس کی حالت بدل
 گئی اور معاشی و معاشرتی حیثیت متوسط درجے کی رہ گئی تھی۔ خود حضرت علیؓ قبائلی مصیبت سے اتنے
 آزاد تھے کہ ان کے مخالفین نے بھی کبھی انھیں اس کا مورد الزام نہیں ٹھہرایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی اوصاف و خاص کے لحاظ سے خلیفہ راشد تھے، مگر اس کے
 ساتھ ہی وہ قبائلی قوت (بنو امیہ) اور مالی وسائل کے اعتبار سے بھی اہم تھے۔ اگرچہ انھوں نے خود ان
 کا کبھی سہارا نہیں لیا، مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے مخالفین کی تنقید کا زور قبائلی مصیبت اور مالی

وسائل پر ہی تھا۔ ان کے معترضین کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے اپنے قبیلے بنو امیہ کے ساتھ رعایت کی دوسرا اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے اپنے مالی وسائل اقرباء پر فریح کیے ان اعتراضات کی سمت اور عدم صحت سے قطع نظر مخالفین نے بنو امیہ سے تعلق اور مالی وسائل کے استعمال کو بہانہ بنا کر خلیفہ راشد حضرت عثمان کو شہید کر دیا اور امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اس طرح خلیفہ راشد حضرت عثمان جیسے اسن، خلافت راشدہ جیسے مثالی مہد میں اپنی کامل دیانت کے باوجود معترضین کے اعتراضات کا ہدف بن گئے۔ جب حضرت عثمان جیسی عظیم مہمتی اعتراضات سے نہ بچ سکی تو آج کون ان کے رتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ صورت حال خلافت راشدہ اور عہد صحابہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ تو ان کے بعد کون سا ایسا امتی ہو سکتا ہے جو قبائلی، فرقہ دارانہ عصبیتوں اور مالی وسائل کی موجودگی میں اعتراضات سے بچ سکے۔ اس مثال سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ نسلی، نسبی، علاقائی اور فرقہ دارانہ عصبیتیں اور زائد از ضرورت معاشی وسائل اسلامی نظام احتمالات میں نااہلیت کی شرطیں قرار پائیں۔

حکمرانی کی اہلیت کی بحث میں خلافت راشدہ ہی کا دوسرا پہلو قابل ذکر ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے والد حضرت ابوقحافہؓ نے جب سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں تو انھوں نے کہا کہ یہ عظیم حادثہ ہے پھر انھوں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون دالی مقرر ہونے ہیں؟ بتایا گیا، ابو بکرؓ، ابوقحافہؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا، کیا بنو عبد مناف اور بنو مخزوم اس پر رضامند ہو گئے ہیں ”اور ضییت بنو عبد مناف و بنو مخزوم“ بتلایا گیا۔ ہاں، ابوقحافہؓ نے کہا پھر تو یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہے دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت سنئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ حضرت علیؓ کے پاس آکر کہا کیا آپ اس پر رضامند ہیں کہ خلافت بنو تیمم کے پاس ہو؟ ”ارضیتم ان یکون هذا الامر فی بنی تیمم“ حضرت علیؓ نے کہا: ابوسفیان! اسلام کا معاملہ جاہلیت کے معاملے جیسا نہیں ہے: یا ابوسفیان! ان الامور اسلام لیس کا معاملہ اہلیہؓ پہلی روایت کے مطابق حضرت ابوقحافہؓ کو تعجب ہو رہا تھا کہ ان کا بیٹا ابو بکرؓ تو کسی بڑے قبیلے کی

عصبیت کا مالک ہے اور نہ ہی زائد از ضرورت مالی وسائل کہتا ہے۔ ایسی صورت میں بنو عبد مناف اور بنو خزوم جیسے قبائل نے عددی قوت، قبائلی عصبیت اور مالی وسائل کے باوجود ابوبکر کو کیسے خلیفہ قبول کر لیا؟ گویا قبائلی عصبیت اور زائد از ضرورت مالی وسائل دور جاہلیت میں اختیار حکمرانی کی ضروری شرائط تھیں۔ جو ان شرائط پر پورا اترتا وہ حکمرانی کا اہل قرار پاتا۔ ابو قحاذہؓ کے تعجب کا دوسرا سبب یہ تھا کہ بنو عبد مناف اور بنو خزوم جو دور جاہلیت کے ان اوصاف سے بدرجہ اتم مصنف تھے۔ انھیں خلافت سے کیسے نظر انداز کر دیا گیا اور وہ دونوں قبیلے بنو تیمم کے فرد ابوبکر پر کیسے رضامند ہو گئے؟

حضرت علیؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کے معاملے سے حکمرانی کی الہیت کا معیار زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آ گیا۔ جب حضرت ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ سے صاف صاف کہہ دیا کہ کیا خلافت کے معاملے میں وہ بنو تیمم پر رضامند ہو گئے ہیں؟ گویا ابوسفیانؓ ابھی تک حکمرانی کی الہیت کے اس معیار کو قبول کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے جو اسلام نے قبائلی عصبیت اور زائد از ضرورت مالی وسائل کے بغیر انسان کے ذاتی اوصاف اور اعلیٰ کردار کی بنیاد قائم کیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو سمجھانا پڑا کہ اسلام اور جاہلیت کے معیار ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اقدار کا یہ کتنا بڑا انقلاب تھا؟ چنانچہ انھوں نے واضح کیا کہ اقدار کی یہ تبدیلی اسلام اور جاہلیت کے درمیان حد فاصل ہے۔ جاہلیت میں خاندان اور برادری کی عصبیت اور وسیع مالی وسائل حکمرانی کی بنیاد تھے جبکہ اسلام میں انسان کے اوصاف اور کردار اختیار حکمرانی کا معیار ہیں۔

اس مسئلے پر مزید دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ نسلی نسب، علاقائی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں اور جمعیوں اور مالی وسائل بنیاد پر حکمرانی کے امیدوار کو نااہل قرار دینا کیوں ضروری ہے؟ مذکورہ الہیت بنیاد پر انتخاب کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اُسے رہندگان کے سامنے امیدوار کا صرف ذاتی کردار ہی ہو گا۔ زائد از ضرورت مالی وسائل و ذرائع کی گرد امیدوار کے کردار کی پاکیزگی، میرٹ کی بلندی، خدمات کی عظمت، قابلیت کی نعمت اور امانت کی الہیت پر اثر انداز نہ ہو گی جو شخص اپنے آپ کو زائد از زمین کی چوس، ذات برادری اور فرقہ وارانہ عصبیت سے علیحدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اے "امین" کے مرتبہ رفیعہ پر فائز ہونے کی کیا ضرورت؟ لہذا "امانت" اور "عصبیت جاہلیہ" دونوں میں سے ایک کا انتخاب پہلے خود امیدوار کو کرنا چاہیے۔ چونکہ امت متوسط اور نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اکثریت کا صحیح معنوں میں دینی فائدہ ہو گا۔ جو ان کی حیثیت کی نامندگی کرے گا جو ان کی حیثیت سے اونچا ہو گا وہ ان کے مزاج، نفسیات اور احوال کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی ان کے مسائل حل کر سکتا ہے۔